© rasailojaraid.com

فصل پنجم

اخلاقی تعلیمات

(۲)

تاریخ انسانی سے اچھے اور بُرے کرداروں کی مثالیں اسبابِ ضلالت کی یہ تفصیلات جو قرآن میں بیان کی گئی تھیں یہ سب قریش اور عرب کے معاشرے میں پائی جاتی تھیں اور ایک ایک شخص جو اِن کو سنتا تھا وہ سمجھ جاتا تھا کہ فی الواقع ہمارے اندر گمراہی کے یہ سارے اسباب کارفرما ہیں۔ اِس کے بعد قرآن مجید نے تاریخ انسانی سے پے در پے ایسے کرداروں کی مثالوں کو بھی نمایاں کر کے بیان کیا جو بہترین یا بدترین تھے، تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلام کیسے انسان بنانا چاہتا ہے، اور کیسے انسان اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جن کی یا تو اصلاح ہونی چاہیے، یا پھر ان کے وجود سے معاشرے کو پاک کر دینا چاہیے، یا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا نشانہ بنا کر اِس دنیا میں تباہ کر دیا۔ قرآن کے اِس بیان کو ذرا سلسلہ وار تاریخی ترتیب کے ساتھ دیکھتے جائیے۔

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سب سے پہلا عبرتناک واقعہ جو تاریخ انسانی میں پیش آیا وہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ہے جس میں دو کردار ایک دوسرے کے مقابلے میں سامنے آتے ہیں۔ دونوں بھائی قربانی کرتے ہیں۔ ایک کی قربانی مقبول ہوتی ہے، دوسرے کی نہیں ہوتی۔ وہ حسد میں آکر اپنے بھائی سے کہتا ہے کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اُس کا بھائی کہتا ہے کہ اللہ تو پرہیزگاروں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے (یعنی تیری قربانی قبول نہ ہونے میں میرا کوئی قصور نہیں، تو اپنے اخلاق و اعمال کی اُس خامی کو دُور کرنے کی فکر کر جس کی وجہ سے تیری قربانی قبول نہیں ہوتی)۔ لیکن اگر تو میرے قتل ہی کے درپے ہوگا تو میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں گا، کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ بجائے اس کے کہ تجھ سے لڑ کر میں بھی تیرے ساتھ خونِ ناحق کے گناہ میں شریک ہوں میں اِس کو ترجیح دوں گا کہ میرے اور اپنے گناہ کو تو خود ہی سمیٹ لے۔ آخرکار اُس ظالم بھائی نے اپنے نیک بھائی کو قتل کر دیا اور پھر اس پر بہت پچھتایا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد دیکھیے کہ عرب کے اُس ماحول میں، جہاں انسانی جان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی حرمت نہ تھی اور ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا، قرآن نے کتنی عظیم بات کہی کہ "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کوئی ایک جان بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی" (المائدہ آیات ۲۷ تا ۳۲)۔

حضرت نوحؑ اور اُن کی قوم

تاریخ کی پہلی قوم جس نے زمین میں سرکشی کا طوفان اُٹھایا وہ حضرت نوحؑ کی قوم تھی۔ قرآن میں کئی جگہ اس کا قصّہ بیان کر کے ایک طرف اُس قوم اور اُس کے سرداروں کا کردار پیش کیا گیا جس کی وجہ سے آخر کار وہ سب مبتلائے عذاب ہوئے، اور دوسری طرف خود حضرت نوحؑ کے کردار کی درخشاں مثالیں پیش کی گئیں، سورۂ عنکبوت میں بتایا گیا کہ انتہائی شدید مخالفت و مزاحمت کے مقابلے میں ساڑھے نو سو برس تک وہ انتہائی صبر کے ساتھ اُس قوم کی اصلاح کے لیے کوشش کرتے رہے (آیت ۱۴)۔ اُنہوں نے ہر ممکن طریقے سے نہایت دردمندی کے ساتھ لوگوں کو راہ راست دکھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا، مگر قوم کے سرداروں نے اُن کی ایک نہ چلنے دی (سورۂ نوح مکمل)۔ اُن کو مجنون کہا گیا اور سخت ڈانٹ پھٹکار کی گئی (القمر۔ ۹)۔ ان کی اور ان پر ایمان لانے والے غریب لوگوں کی تذلیل کی گئی (ہود۔ ۲۷۔ الشعراء ۱۱۱)۔ اُن کو دھمکی دی گئی کہ تم اگر باز نہ آؤ گے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا (الشعراء ۱۱۶)۔ مگر اُنہوں نے ڈٹ کر کہا کہ اگر میرا وجود اور میری نصیحتیں تمہارے لیے ناقابل برداشت ہیں تو جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ میرے خلاف کر ڈالو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو، میرا بھروسا اللہ پر ہے (یونس۔ ۷۱)۔ پھر جب کشمکش انتہا کو پہنچ گئی تو اُن کی قوم نے کہا کہ جس طوفان کا تم ڈراوا ہمیں دیتے ہو وہ لے آؤ۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے اُن کی آنکھوں کے سامنے وہ کشتی بنانی شروع کی جس میں بیٹھ کر وہ اور اُن کے ساتھ اہل ایمان اُس آنے والے طوفان سے بچنے والے تھے، مگر اُن کی قوم کے لوگ اُنہیں کشتی بناتے دیکھ کر اُن کا مذاق اُڑاتے پھرتے تھے کہ بڑے میاں کی دیوانگی آخر یہاں تک پہنچ گئی کہ خشکی پر جہاز چلانے کی تیاری کر رہے ہیں، اور انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ عنقریب یہی خشکی ایسا سمندر بننے والی ہے جہاں ایک ایک موج پہاڑوں کے برابر ہو گی جس میں خود حضرت نوحؑ کے بیٹے سمیت سب غرق ہو جائیں گے، اور یہی سطح زمین پر رکھی ہوئی کشتی جودی پہاڑ پر جا لگے گی (ہود ۳۲ تا ۴۴)۔ آخری منظر اس قصّے کا یہ پیش کیا گیا کہ حضرت نوحؑ نے جب اپنے بیٹے کو بھی دوسرے کافروں کے ساتھ ڈوبتے دیکھا تو بشریت سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کو بچا لیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈانٹ دیا کہ جاہل نہ بنو، یہ تمہارا بیٹا ہی سہی، لیکن تمہارا "اہل" نہیں ہے بلکہ عملِ غیر صالح ہے، اس لیے ایسی درخواست مجھ سے نہ کرو۔ اِس پر حضرت نوحؑ نے فوراً معافی مانگی اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا" (ہود- ۴۵ تا ۴۷)۔

قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام

عرب کی مشہور قوم، عاد، جس سے اہلِ عرب کا بچہ بچہ اُس زمانے میں واقف تھا، اور جس کے متعلق لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ خدا کے عذاب سے تباہ ہوئی تھی، اُس کے بارے میں قرآن نے بتایا کہ شرک و بُت پرستی کے ساتھ اُس کے اندر کیا اخلاقی عیوب پائے جاتے تھے۔ سورۂ حٰم السجدہ میں ہے کہ "اُنھوں نے زمین میں حق کے بغیر تکبّر کیا اور کہا کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟" (آیت- ۱۵)۔ سورۂ فجر میں ہے کہ اُنھوں نے "دُنیا میں بڑی سرکشی دکھائی اور بہت فساد برپا کیا" (آیات ۶ تا ۱۲)۔ سورۂ شُعراء میں ہے کہ حضرت ہودؑ نے ان سے فرمایا "یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ ہر اُونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو، جبّار بن کر ڈالتے ہو" (آیات ۱۲۸ تا ۱۳۰)۔ سورۂ ہود میں ہے کہ "اُنھوں نے ہر جبّار دشمنِ حق کے حکم کی پیروی کی" (آیت ۵۹)۔ حضرت ہودؑ نے ان کو سمجھانے کی جتنی کوششیں کیں اُن سب کا جواب وہ تمرّد اور عناد اور مخالفانہ چالوں ہی کے ساتھ دیتے چلے گئے، حتّٰی کہ حضرت نوحؑ کی طرح انہیں بھی اپنی قوم سے کہنا پڑا کہ "تم سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اُس کے ہاتھ میں نہ ہو" (ہود- ۵۵-۵۶)۔ آخر کار اُنھوں نے خدا کے پیغمبر سے کہہ دیا کہ "اگر تو سچا ہے تو لے آ وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے"۔ پھر جب وہ عذاب سامنے سے آتا نظر آیا تو وہ بیوقوف یہ سمجھے کہ یہ بادل ہے جو ہماری وادیوں کو سیراب کرے گا، مگر وہ ایک تباہ کن آندھی تھی جس نے ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیا (الاحقاف- ۲۲ تا ۲۵)۔

ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام

عاد کے بعد ثمود عرب کی اقوام قدیمہ میں سے مشہور ترین قوم تھی جس کے چھوڑے ہوئے آثار پورے شمالی حجاز میں پھیلے ہوئے تھے اور اب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلے اُن پر سے گزرتے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ ایک خوفناک زلزلے نے اس قوم کو تباہ کیا جس کے اثر سے اُس علاقے کے پہاڑ آج تک کھیل کھیل ہو رہے ہیں۔ قرآن میں بتایا گیا کہ اس قوم نے خدا سے بغاوت کر کے صرف شرک و بُت پرستی کا جرم ہی نہیں کیا تھا بلکہ خدا کی زمین میں سرکشی اور فساد کا طوفان بھی برپا کیا تھا (الفجر- آیات ۶ تا ۱۲- الاعراف ۴)، اُس کے سردار حد سے گزرے ہوئے مفسد لوگ تھے جن کے ہاتھوں کوئی اصلاح کا کام نہ ہوتا تھا (الشعراء- ۱۵۱-۱۵۲)۔ وہ اپنے عیش اور اپنی نشان دکھانے کے لیے میدانی علاقوں میں قصر اور پہاڑوں کو تراش تراش کر عمارتیں بناتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الاعراف ۴، الشعراء ۱۴۹)۔ یہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی خصوصیت ہوتی ہے کہ ایک طرف غریب لوگ سر چھپانے کو ڈھنگ کی جگہ تک نہیں پاتے اور دوسری طرف بڑے لوگ شاندار محل تعمیر کرتے ہیں۔ اُن بڑے لوگوں کے نزدیک حضرت صالحؑ اس لیے ایمان لانے کے قابل نہ تھے کہ اُن پر غریب لوگ ایمان لائے تھے (الاعراف ۷۵-۷۶)۔ حضرت صالحؑ نے جب ان کو خدا پرستی کی دعوت دی اور ظلم و فساد اور عیش پرستی سے روکا تو اُن کے ۹ بڑے بڑے مُفسد قبائلی چودھریوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا "خدا کی قسم کھا کر فیصلہ کر لو کہ رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے، پھر صالح کے ولی (یعنی اُن کے قبیلے کے سردار) سے کہہ دیں گے کہ ہم اُس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں" (النمل ۴۸-۴۹)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چال کو ناکام کر دیا۔ اُنہوں نے حضرت صالح سے معجزے کا مطالبہ کیا اور ان کے اپنے مطالبے ہی پر اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی ان کے سامنے لا کر رکھ دی جس کا وجود خود ایک صریح معجزہ تھا۔ اس کے بعد حضرت صالح کے ذریعہ سے ان کو خبردار کر دیا گیا کہ یہ اونٹنی تمہاری زمینوں میں جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی اور ایک دن تنہا یہ پانی پیے گی اور دوسرا دن تم سب اور تمہارے جانوروں کے لیے ہے۔ اِس کو تم نے بُری نیت سے ہاتھ لگایا تو پھر تمہارے اُوپر عذاب آجائے گا (الاعراف ۷۳، ہود ۶۴، الشعراء ۱۵۵)۔ کچھ مدت تک وہ لوگ اس اونٹنی سے ڈرتے رہے۔ آخر کار انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ اونٹنی ایک معجزہ ہے، اپنے ایک سب سے زیادہ سرپھرے سردار کو پکارا کہ اس بلا سے ہمارا پیچھا چھڑا، اور اُس نے اِس کام کا بیڑا اُٹھا کر اسے مار ڈالا (القمر ۲۹، الشمس ۱۲-۱۴)۔ یہ سرکشی دکھا کر انہوں نے حضرت صالح کو چیلنج دیا کہ لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے (الاعراف ۷۷)۔ حضرت صالح نے کہا بس اب تین دن اپنے گھروں میں مزے کر لو۔ اِس کے بعد وہ زبردست کڑاکے دار زلزلہ آیا جس نے حضرت صالح اور اہل ایمان کے سوا پوری قوم کو ہلاک کر دیا اور اُن کے گھر اس طرح پڑے رہ گئے کہ گویا وہاں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا۔ (الاعراف ۷۸، ہود ۶۵ تا ۶۸، القمر ۳۱)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑا مثالی کردار قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا پیش کیا گیا جنہیں اہل عرب اپنے دین کا پیشوا مانتے تھے، اور جن کے ساتھ نسبت ہی پر قریش کے سارے فخر و ناز اور رسوخ و اثر کی بنا قائم تھی۔ قرآن نے اُن کو بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی وہ کیا خوبیاں تھیں جن کی بنا پر اللہ رب العالمین نے اپنے اُس بندے کو اپنا خلیل (دوست) قرار دیا (النساء ۱۲۴) اور فرمایا کہ میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بنانا ہوں — (البقرہ ۱۲۴)۔ اُن پر جب یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی رب اور الٰہ نہیں ہے اور اُن کا باپ اور ان کی قوم، سب گمراہ ہیں تو اُنہوں نے باپ دادا کی اندھی تقلید کو چھوڑنے، اپنے قومی مذہب کو ترک کر دینے، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل یکسو ہو کر صرف خالقِ ارض و سما کی بندگی اختیار کر لینے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہیں کی، اور صرف اپنی جگہ خالص خدا پرست بن کر رہ نہیں گئے، بلکہ علی الاعلان اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہہ دیا کہ میں تمہارے اِس دینِ شرک سے بیزار ہوں اور میرے نزدیک تم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو (الانعام ۴ ، تا ۸۱)۔ انہوں نے باپ سے صاف صاف کہا کہ تو اندھے بہرے بے اختیار معبودوں کی بندگی کر کے دراصل شیطان کی بندگی کر رہا ہے، اور باپ نے انہیں سختی کے ساتھ جھڑک کر گھر سے نکال دیا (مریم ۴۳ تا ۴۶)۔ انہوں نے جب قوم کو دلیلوں سے سمجھانے کی کوشش کی اور وہ نہ مانی تو موقع پاکر اُس کے بت خانے میں گھس گئے، اور اس کے بتوں کو توڑ کر عملاً اسے یہ دکھا دیا کہ جن کی وہ بندگی کر رہی ہے وہ اُس کو تو کیا، خود اپنے آپ کو بھی بچانے پر قادر نہیں ہیں (الانبیاء ۵۲ تا ۶۷۔ الصافات ۸۵ تا ۹۶)۔ اُن کو ملک کے بادشاہ، نمرود کے سامنے پیش کیا گیا جو رب ہونے کا مدّعی تھا۔ انہوں نے بالکل بے خوف ہو کر کہا کہ میں اُس ہستی کے سوا کسی کو رب نہیں مانتا جس کے ہاتھ میں زندگی و موت ہے۔ نمرود نے کہا زندگی و موت میرے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے یہ منہ توڑ جواب دے کر اسے مبہوت کر دیا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اُسے مغرب سے نکال کر دکھا دے (البقرہ ۲۵۸)۔ اُن کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ انہیں اس میں پھینک کر زندہ جلا دیا جائے۔ مگر وہ پھر بھی باطل کے آگے نہ جھکے اور حق کی خاطر جل مرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اس نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور اسے ان کے لیے بے ضرر بنا دیا۔ مگر انہوں نے اپنی طرف سے یہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی کہ وہ آگ میں پھینکا جانا قبول کر سکتے ہیں مگر حق کو چھوڑ کر باطل کی بندگی کرنا قبول نہیں کر سکتے (الانبیاء ۶۰ تا ۷۰۔ الصافات ۹۷-۹۸)۔ آخر کار جب اُن کے لیے اپنے دین اور اپنے وطن دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو انہوں نے دین کو نہ چھوڑا اور گھر، خاندان، قوم اور وطن سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر خدا کے بھروسے پر نکل کھڑے ہوئے، اور یہ جانتے ہوئے کہ غریب الوطنی کیا چیز ہوتی ہے بے تکلف کہہ دیا کہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ، "میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا" (الصافات ۹۹)۔ بڑھاپے کی عمر میں جب بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اُن کے رب نے اُن کو ایک اور سخت آزمائش میں ڈالا۔ انہیں اشارہ کیا گیا کہ اِس دودھ پیتے بچے کو اِس کی ماں کے ساتھ لے جا کر مکہ کی سنسان، بے آب و گیاہ وادی میں اس جگہ چھوڑ آؤ جہاں ہم اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اِس حکم کی تعمیل کے لیے بھی بلا تامّل آمادہ ہو گئے اور فلسطین سے جہاں وہ رہتے تھے، سینکڑوں میل دور لے جا کر بیوی اور بچے کو بالکل خدا کے بھروسے پر چھوڑ دیا (الحج ۲۶۔ ابراہیم ۳۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ایک اور اس سے بھی زیادہ شدید آزمائش کی گئی۔ جب وہی لڑکا بڑا ہو کر اس عمر کو پہنچ گیا کہ باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے تو اشارہ کیا گیا کہ اسے ہمارے لیے ذبح کر دو۔ وہ اِس فرمان پر بھی عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور بیٹے کے گلے پر چھری پھیرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قربانی قبول فرما کر ایک "ذبح عظیم" کو اس کے فدیے میں دے دیا۔ (الصّٰفّٰت ۱۰۰ تا ۱۰۷)۔ خدا اور اس کے دین کے معاملے میں وہ کسی کے سامنے کوئی رو رعایت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وطن چھوڑتے ہوئے انھوں نے صاف صاف اپنی قوم سے کہا کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ" (الممتحنہ - ۴)۔ اپنے باپ سے انھوں نے دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا اور دعا کی بھی، مگر جب انھیں احساس ہوا کہ وہ تو اللہ کا دشمن تھا تو انھوں نے اُس سے محبت کا یہ تعلّق بھی ختم کر دیا (التوبہ - ۱۱۴)۔ یہ تھی وہ سیرت اور یہ تھا وہ کردار جسے دعوتِ اسلامی نے نمونے کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

حضرت لوطؑ اور قومِ لوط حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے اور اُن کے ساتھ ہی ہجرت کر کے فلسطین کی طرف آئے تھے۔ یہاں جس جگہ انھوں نے اپنا مسکن بنایا تھا اُس کے قریب ہی ایک نہایت خبیث قوم آباد تھی جو دنیا میں خباثت کے اعتبار سے اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السّلام کو اُس کی اصلاح کا کٹھن کام سپرد کیا اور انھیں نبی بنا کر اُس کے علاقے میں بھیج دیا۔ اُس قوم کا حال یہ تھا کہ اُس میں مرد کی مرد سے مباشرت عام تھی جس کا ارتکاب چھپ کر بھی نہیں بلکہ علانیہ ایک دوسرے کے سامنے اور بھری مجلسوں میں کیا جاتا تھا۔ اس پر مزید وہ ایک رہزن قوم تھی، کسی شخص یا قافلے کا اس کے علاقے سے بخیریت گذر جانا ممکن نہ تھا (النّمل ۵۴ - العنکبوت ۲۹)۔ حضرت لوطؑ نے برسوں اس کو خدا سے ڈرایا اور اِن حرکتوں سے باز آجانے کی تلقین کی، مگر اُس کا جواب یہ تھا کہ "اے لوط، اگر تو نے یہ باتیں نہ چھوڑیں تو ہم تجھے اپنے ہاں سے نکال دیں گے" (الشعراء - ۱۶۷)۔ حضرت لوط نے ان دھمکیوں کی پروا نہ کی اور اپنی تبلیغ جاری رکھی تو ان لوگوں نے آپس میں طے کیا کہ "آلِ لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں" (الاعراف ۸۲ - العنکبوت ۵۶)۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُن کو سزا دینے کا فیصلہ فرما دیا اور اُس پر عملدرآمد کے لیے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا۔ چند فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے ہاں مہمان بنا کر بھیج دیے گئے۔ اُن کا آنا تھا کہ سارے شہر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوگ جوق در جوق حضرت لوطؑ کے گھر کی طرف چڑھ دوڑے تاکہ ان لڑکوں کے ساتھ فعلِ بد کریں۔ حضرت لوطؑ نے ان کی بے انتہا منّت سماجت کی کہ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟ مگر اُن لوگوں پر ایک نشہ سا سوار تھا، اُنھوں نے حضرت لوطؑ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک نہ سُنی بلکہ اُلٹا اُن کو ڈانٹا کہ "کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے ہیں کہ دنیا بھر کے ٹھیکیدار نہ بنو" (الحجر، ۷۰)۔ تب فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ "ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، آپ صبح سے پہلے پہلے اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں"۔ جو لوگ اُن کے مکان پر چڑھ آئے تھے اُن کو تو اُسی وقت اندھا کر دیا گیا (القمر، ۳۷) اور صبح سویرے باقی ساری قوم کا تختہ اُلٹ دیا گیا، اُس کی بستیاں تلپٹ کر دی گئیں اور اس پر ایسے پتھروں کی بارش کی گئی جن میں سے ہر ایک نشان زدہ تھا کہ کس کو اُن میں سے کس آدمی کا خاتمہ کرنا ہے (ہود ۸۲-۸۳)۔ یہ ایسی بدبخت قوم تھی کہ اس کے پورے علاقے میں ایک حضرت لُوطؑ کے گھر کے سوا کسی با ایمان کا گھر نہ پایا جاتا تھا (الذاریات ۳۶) اور اُس ایک گھر میں بھی خود حضرت لُوطؑ کی بیوی بے ایمان تھی جس کے متعلق اُن کو حکم دیا گیا کہ اسے ساتھ نہ لے جائیں، کیونکہ اُسے بھی مبتلائے عذاب ہونا ہے (ہود- ۸۱)۔ قرآن میں یہ قصہ جگہ جگہ بیان کر کے لوگوں کو بتایا گیا کہ ایک بدکردار قوم کیسی ہوتی ہے، اس کا انجام کیا ہوتا ہے، اور اللہ تعالٰی کے پیغمبروں نے کیسے کیسے سخت حالات میں کام کیا ہے۔

قصۂ یوسف علیہ السلام اس کے بعد تاریخی اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی باری آتی ہے جس پر ایک پوری سورۃ قرآن میں نازل کر کے اچھے اور بُرے کردار ایک دوسرے کے بالمقابل پیش کر دیے گئے۔ اس میں ایک طرف برادرانِ یوسف کا کردار ہے، جنہوں نے صرف اس لیے کہ والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے کم سن بیٹے یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے ہیں آپس میں طے کیا کہ اُن کو قتل کر دیں یا کہیں پھینک دیں اور "اس کے بعد صالح لوگ بن جائیں"۔ باپ کو دھوکا دیکر بھائی کو سیر و تفریح کے بہانے لے گئے، اُس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا، پھر جھوٹ موٹ کا خون اُس کے قمیص پر لگا کر لے آئے اور باپ سے کہا کہ اُسے تو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا۔ اُس تجارتی قافلے والوں کا کردار ہے جنہوں نے حضرت یوسف کو اندھے کنویں میں پایا تھا۔ اُنہوں نے اُس مظلوم بچے کو اپنے لیے مالِ تجارت بنا لیا اور مصر لے جا کر بیچ ڈالا۔ عزیزِ مصر کی بیوی کا کردار ہے جس کے شوہر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا اور جس کے گھر میں پل کر وہ جوان ہوئے تھے۔ اُس کی بے شرمی کا حال یہ تھا کہ اس نے اُن کو گناہ کی دعوت دی، وہ انکار کر کے بھاگے تو اُن کا پیچھا کیا، جب عین اُس موقع پر اُس کا شوہر آ گیا تو اُلٹا اُن پر الزام لگایا کہ وہ اُس کی عصمت خراب کرنا چاہتے تھے۔ اُس کا جھوٹ جب صریح طور پر ثابت ہو گیا اور شہر کے اونچے طبقوں کی عورتوں میں اُس کے عشق کا چرچا ہونے لگا تو اُس نے انہیں اپنے ہاں دعوت پر بلا کر حضرت یوسف کو اُن کے سامنے یہ بتانے کے لیے پیش کیا کہ ایسے حسین جوان پر میں مر نہ مٹتی تو اور کیا کرتی، اور بے تکلف بھری مجلس میں کہا کہ اگر یہ میرے ساتھ ناجائز تعلق پر راضی نہ ہوا تو میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے قید کرا دوں گی۔ مصر کے اونچے طبقے کی عورتوں کا کردار ہے جنہوں نے اُس محفل میں حضرت یوسف کا حُسن دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ وہ بھی اُن کے پیچھے پڑ گئیں اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مصر کے حاکموں کا کردار ہے جنہوں نے اپنی عورتوں کے اخلاقی بگاڑ کی سزا الٹی حضرت یوسف کو دی اور بے قصور اُنہیں قید کر کے برسوں جیل میں ڈالے رکھا۔ اِس کے مقابلے میں دوسری طرف حضرت یوسف کا کردار ہے جس میں اخلاق کی پاکیزگی کا ایک سے ایک بہتر نمونہ سامنے آتا ہے۔ اُنہوں نے قید ہو جانا گوارا کر لیا مگر اپنے دامن کو گناہ سے داغدار کرنا گوارا نہ کیا۔ اِس پر بھی انہیں اپنے تقویٰ کا کوئی زعم لاحق نہ ہوا بلکہ انہوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے میرے پروردگار، قید مجھے اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں، اور اگر تو نے ان عورتوں کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں اُن کی طرف جُھک پڑوں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔"

اُنہوں نے جیل میں بھی خدا کے بندوں کو وعظ و نصیحت کر کے راہِ راست دکھانے کی کوشش کی اور تبلیغ حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اِس کا صرف ایک واقعہ سورۂ یوسف میں آیت ۳۶ سے ۴۰ تک بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قید کے اِس طویل زمانے میں وہ کس طرح دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

پھر جب بادشاہ مصر کے ایک خواب کی تعبیر اُنہوں نے دی اور بادشاہ نے اُس سے متأثر ہو کر انہیں رہا کرنا اور اپنے پاس بلانا چاہا تو انہوں نے اُس وقت تک رہائی قبول نہ کی جب تک عزیزِ مصر کی بیوی اور اس کے ساتھ کی دوسری عورتوں نے اُن کی پاک دامنی اور خود اپنے قصور وار ہونے کی شہادت نہ دے دی۔ اِس کے بعد وہ دور آیا جب مصر میں انہیں شاہانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ اُس زمانے میں اُن کے وہی بھائی جنہوں نے اُن کو اندھے کنویں میں پھینکا تھا اُن کے پاس بار بار غلّہ مانگنے کے لیے آتے رہے اور وہ انہیں غلّہ دیتے رہے اور ایک مرتبہ بھی اُن کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ اُن سے اُس ظلم کا بدلہ لیں جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ اوّل اوّل تو یہ بھائی اِس بات سے ناواقف تھے کہ مصر کے جس فرمانروا سے وہ غلّہ حاصل کر رہے ہیں وہ کون ہے اور صرف حضرت یوسفؑ ہی اُن کو پہچان رہے تھے۔ مگر جب تیسری مرتبہ وہ آئے اور حضرت یوسفؑ نے اُنہیں بتایا کہ میں تمہارا وہی بھائی ہوں جس کے ساتھ تم نے وہ ظلم کیا تھا جو تم جانتے ہو، اور اُنہوں نے اپنے خطاکار ہونے کا اعتراف کیا، تو حضرت یوسف کا جواب یہ تھا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے"۔ پھر صرف یہی نہیں کہ اُنہوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو وطن سے مصر بلوایا، بلکہ اِن بھائیوں کو بھی اِن کے سارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل و عیال سمیت بلا کر وہاں عزت کے ساتھ آباد کیا۔ آخری شان اِس عظیم انسان کے کردار کی سورۂ یوسف میں یہ دکھائی گئی کہ اپنے اِس عروج پر وہ کسی فخر و غرور کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ بندگی خم کر کے عرض کرتا ہے کہ "اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ مسلم (فرمانبردار) کی حیثیت سے کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام اور اہلِ مَدیَن و اصحابُ الاَیکہ

قرآن مجید میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ کا حال بھی لوگوں سے بیان کیا گیا جن کا علاقہ شمالی حجاز میں واقع تھا۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کے ساتھ جو اخلاقی خرابیاں اُن کے اندر خصوصیت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں وہ یہ تھیں کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن لوگ تھے اور انہوں نے بڑا فساد برپا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مَدیَن میں اپنا نبی بنا کر مبعوث کیا اور ایکہ والوں کی اصلاح کا کام بھی ان کے سپرد فرمایا۔ وہ مدتوں ان لوگوں کو خدا کا خوف دلا کر ان برائیوں سے باز آنے کی تلقین کرتے رہے مگر صرف ایک قلیل تعداد ان پر ایمان لائی اور باقی سب اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے۔ مدین کے سرداروں نے حضرت شعیبؑ سے کہا "کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں، یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کریں؟" (ہود ۸۷)۔ بالفاظِ دیگر انہیں اِس بات پر بھی اصرار تھا کہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی بندگی صرف اِس وجہ سے کی جائے کہ باپ دادا اُن کی بندگی کرتے رہے ہیں، اور وہ اِس بات پر بھی مُصر تھے کہ اپنے مالوں میں اُنہیں اپنی مرضی کے مطابق ہر طرح کے تصرف کی آزادی ہونی چاہیے خواہ وہ لوٹ مار ہو، یا تجارت میں بے ایمانی ہو، یا کمزور لوگوں پر ظلم و ستم ہو۔ اُنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ "اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو برباد ہو جاؤ گے" (الاعراف ۹۰)۔ گویا اُن کے نزدیک قوم کا پھلنا پھولنا اِسی پر منحصر تھا کہ وہ ہر طرح کے ناجائز طریقوں سے مال و دولت حاصل کرے، اور صرف جائز طریقوں کی پابندی قبول کرنے کے معنی یہ سمجھتے کہ قوم برباد ہو جائے۔ اُنہوں نے حضرت شعیب کو دھمکیاں دیں کہ "ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو نکال باہر کریں گے" (الاعراف ۸۸)۔ اور اُن سے کہا کہ "تم کو تو ہم اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے۔ تمہارا اپنا بل بوتا اِتنا نہیں ہے کہ ہم پر تم بھاری ہو" (ہود ۹۱)۔ اِس پر حضرت شعیبؑ نے یہ فرما کر انہیں شرم دلائی کہ "میرا قبیلہ کیا تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے؟ اُس کو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا؟" (ہود ۹۲)۔ ایسا ہی رویہ اصحاب الایکہ نے بھی حضرت شعیبؑ کے ساتھ اختیار کیا۔ اُن کی کسی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا تو یہ کہ "اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو" (الشعراء ۱۸۷)۔ آخر کار دونوں قومیں خدا کے عذاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرفتار ہوئیں اور تباہ کر کے رکھ دی گئیں۔ قریش کے لوگ اپنے تجارتی سفروں میں شام جاتے ہوئے ہمیشہ اُن علاقوں سے گزرتے تھے جہاں یہ قومیں مبتلائے عذاب ہوئی تھیں، اِس لیے وہ قرآن کے اِس بیان سے اثر لیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

قصۂ فرعون و موسیٰ علیہ السلام دنیا بھر میں یہ ہولناک تاریخی واقعہ مشہور تھا کہ فرعون اور اس کا لشکر خدا کے عذاب میں گرفتار ہو کر سمندر میں غرق ہوا تھا، اور عرب میں یہود و نصاریٰ کثرت سے موجود تھے جن کے ذریعہ سے سارے ہی اہلِ عرب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کے پاس نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اور اُنہوں نے حیرت انگیز معجزے دکھا کر اُسے دعوتِ حق دی تھی، مگر وہ کسی معجزے کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا تھا۔ خود قریش کے لوگ حضرت موسیٰ کے اِن معجزوں سے واقف تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی "اِن کو وہ معجزے کیوں نہ دیے گئے جو موسیٰؑ کو دیے گئے تھے؟" (القصص-۴۸)۔ اِسی بنا پر قرآن میں جگہ جگہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا جس سے اچھے اور بُرے کردار اپنی خصوصیات کے ساتھ پوری طرح واضح ہو کر لوگوں کے سامنے آگئے۔

فرعون کے جرائم اُس میں ایک ایک کر کے گنائے گئے ہیں: "اُس نے زمین میں بڑی سرکشی کی، اُس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اُس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اُس کی لڑکیوں کو جینا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مُفسد لوگوں میں سے تھا" (القصص-۴)۔ یعنی اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں ملک کے سب باشندے یکساں ہوں اور سب کو برابر کے حقوق دیے جائیں، بلکہ اس نے سیاست کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے، کسی کو مراعات و امتیازات دے کر حکمران گروہ ٹھیرایا جائے، اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا اور پیسا جائے۔ اِس دوسرے گروہ میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل پر اُس نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اُن کے لڑکوں کو وہ قتل کرتا اور لڑکیوں کو جینا چھوڑ دیتا تھا، تاکہ رفتہ رفتہ ان کی نسل ختم ہو جائے اور اُن کی عورتیں مصریوں کے تصرّف میں آ کر ایک مصری نسل پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ اِسی بنا پر جب حضرت موسیٰ ایک اسرائیلی گھر میں پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ کو اشارہ کیا کہ جب اِس بچے کے قتل کا خطرہ لاحق ہو تو اِسے ایک ٹوکری میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا (القصص-۷)۔

خود اپنی مصری قوم کے ساتھ اُس کا جو معاملہ تھا اس کی پوری تصویر سورۂ زُخرُف کے صرف ایک فقرے میں کھینچ دی گئی ہے۔ "اُس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور اُنہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ" (الزخرف ۵۴)۔ اس میں فرعونی سیاست اور اس کی قوم کی گری ہوئی اخلاقی حالت، دونوں کا نقشہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آجاتا ہے۔

"جب کوئی شخص کسی ملک میں اپنی مُطلق العنانی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کھلّم کھلّا ہر طرح کی چالیں چلتا ہے، ہر فریب اور مکر و دغا سے کام لیتا ہے، کھُلے بازار میں ضمیروں کی خرید و فروخت کا کاروبار چلاتا ہے، اور جو بِکتے نہیں اُنہیں بے دریغ کچلتا اور رَوندتا ہے، تو خواہ وہ زبان سے یہ بات کہے یا نہ کہے، اپنے عمل سے صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اُس ملک کے باشندوں کو عقل اور اخلاق اور مردانگی کے لحاظ سے ہلکا سمجھتا ہے اور اس نے ان کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ میں اِن بیوقوف، بزدل، اور بے ضمیر لوگوں کو جدھر چاہوں ہانک کر لے جا سکتا ہوں۔ پھر جب اس کی یہ تدبیریں ملک میں کامیابی کے ساتھ چل جاتی ہیں اور باشندگانِ ملک اس کے دست بستہ غلام بن کر رہ جاتے ہیں تو وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اُس خبیث نے جو کچھ اِنہیں سمجھا تھا، واقعی وہ وہی کچھ ہیں، اور اُن کے اِس ذلیل حالت میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر "فاسق" ہوتے ہیں۔ اُن کو اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا۔ سچائی اور دیانت اور شرافت قدر کے لائق ہے یا جھوٹ اور بے ایمانی اور رذالت۔ اِن مسائل کے بجائے ان کے لیے اصل اہمیت صرف اپنے ذاتی مفاد کی ہوتی ہے جس کے لیے وہ ہر ظالم کا ساتھ دینے، ہر جبّار کے آگے دبنے، ہر باطل کو قبول کرنے اور ہر صدائے حق کو دبانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں"۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم، الزخرف حاشیہ ۵۰)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام جب اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السّلام کے ساتھ اُس کے دربار میں اللہ جل شانہٗ کے پیغمبر کی حیثیت سے پہنچے اور انہوں نے ایسے صریح معجزے پے در پے پیش کیے جن کے متعلق ایک بیوقوف سے بے بیوقوف آدمی بھی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ یہ جادُو کے کرشمے ہیں، اُن کو وہ محض اپنی کبریائی کے زعم میں جادُو ہی کہتا رہا اور اس کے درباری اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ عصا کے اژدھا بن جانے کو تو خود اُس کے بُلائے ہوئے ماہر جادُوگروں نے مان لیا کہ یہ ان کے فن کی چیز نہیں بلکہ خدا کا معجزہ ہے۔ رہے دوسرے معجزات، مثلاً حضرت موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق پوری سرزمین مصر میں قحط برپا ہونا اور ان کی دُعا ہی سے اس کا دُور ہونا، ان کے اعلان پر سارے ملک میں بارشوں کا ہولناک طوفان آنا اور ان کی دعا ہی سے اس کا ختم ہونا۔ اُن کے اعلان پر ٹڈی دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خوفناک حملہ ہونا اور ان کی دعا ہی سے اس کا دفع ہونا، اسی طرح ان کے اعلان کے مطابق جوؤں اور سُرسُریوں کا عذاب، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب باری باری پورے ملک میں آنا اور صرف اُن کی دعا سے اُن کا ٹلنا، اِس شبہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہ چھوڑتا تھا کہ یہ کسی ساحر کی جادوگری ہے بلکہ ان مسلسل واقعات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ایسے کام نہ آج تک کوئی جادوگر کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے، بلکہ یہ صریحاً اللہ رب العالمین کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عذاب کے آنے پر فرعون اور اس کے اہلِ دربار حضرت موسیٰؑ سے کہتے کہ آپ کو اپنے رب کے ہاں جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر دُعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم پر سے ٹل جائے تو ہم آپ کی بات مان لیں گے، مگر جب وہ ٹل جاتا تو وہ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے (الاعراف ۱۳۴-۱۳۵ - الزخرف ۴۹-۵۰)۔ قرآن میں صاف کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں یقین رکھتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ حق پر ہیں اور پھر ظلم و سرکشی کی وجہ سے انکار کیے چلے جا رہے تھے (النمل ۱۴)۔ یہ حقیقت اس وقت بالکل کھل گئی جب فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہونے لگا اور اس نے پکار کر کہا کہ "میں مان گیا کہ کوئی خدا اُس کے سوا نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اسلام لانے والوں میں سے ہوں" (یونس - ۹۰)۔

اس طرح حق کو حق جان لینے کے باوجود اُس نے اور اس کے درباریوں نے باطل پرستی اور ظلم و تکبر کی حد کر دی۔ "اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ کیا حضور اس موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ یہ ملک میں فساد پھیلائیں اور آپ کی اور آپ کے معبودوں کی بندگی چھوڑ دیں؟ اس نے کہا، نہیں، ہم ابھی حکم دیتے ہیں کہ ان کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے" (الاعراف - ۱۲۷)۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے جو حکم جاری ہوا تھا وہ پھر سے تازہ کیا گیا اور نیا حکم یہ دیا گیا کہ جو جو لوگ موسیٰؑ کے ساتھ ایمان لانے والے ہوں ان کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے (المومن - ۲۵)۔ اُس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ "اگر میرے سوا تو نے کسی کو خدا مانا تو میں تجھے قید کر دوں گا" (الشعراء - ۲۹)۔ اپنے بھرے دربار میں کہا کہ "اے سردارو، میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا بھی ہے" (القصص ۳۸)۔ بڑے دھڑلّے سے اعلان کیا کہ "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں" (النازعات ۲۴)۔ غایت خیرہ چشمی کے ساتھ اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ذرا ایک اونچی عمارت تو بنا۔ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے (القصص ۳۸ - المومن ۳۶-۳۷)۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کر ڈالا اور اپنے اہلِ دربار سے کہا "چھوڑو مجھے کہ میں اِس موسیٰ کو قتل کر دوں اور یہ اپنے رب کو پکار دیکھے" (المومن ۲۶)۔

© rasailojaraid.com

ایک کردار یہ ہے جو اِس قصّے میں فرعون اور اس کے اَعیانِ سلطنت اور اس کی قوم کا نظر آتا ہے۔ دوسرا ایک نہایت عبرت انگیز اور سبق آموز کردار ساحرانِ مصر کا ہے جو اپنے دین کی حمایت میں حضرت موسٰی کا مقابلہ کرنے کے لیے سارے ملک سے جمع ہو کر آئے تھے۔ جب وہ آتے ہیں تو فرعون سے کہتے ہیں کہ سرکار، اگر ہم جیت گئے تو کچھ انعام تو ملے گا نا؟ وہ کہتا ہے، انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم تو ہمارے مقرّبین میں شامل ہو جاؤ گے۔ مگر وہی جادوگر جب حضرت موسٰیؑ کے معجزے سے اپنے جادو کو مغلوب ہوتے دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہاں جادو نہیں بلکہ خدائی طاقت کام کر رہی ہے، تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں کہ ہم نے مان لیا ربّ العالمین کو، موسٰیؑ اور ہارونؑ کے ربّ کو۔ اب اُن کے اندر یکلخت اتنا بڑا انقلاب واقع ہو جاتا ہے کہ فرعون اُنہیں ہاتھ پاؤں کٹوانے اور سولی پر چڑھا دینے کی دھمکیاں دیتا ہے اور وہ اُس کی کسی دھمکی کی پروا نہیں کرتے، اس سے صاف کہتے ہیں کہ تجھے جو کچھ کرنا ہے کر ڈال، ہم تیری خاطر اُن کھلی صداقتوں سے جو ہم نے دیکھ لی ہیں، اور اپنے خالق سے منہ نہیں موڑ سکتے (الاعراف ۱۱۳ تا ۱۲۶۔ طٰہٰ ۷۰ تا ۷۳۔ الشعراء ۴۱ تا ۵۱)۔

ایک اور کردار فرعون کے درباریوں میں سے ایک درباری کا ہے۔ وہ دل میں ایمان لا چکا تھا اور اُسے چھپائے ہوئے تھا۔ مگر جب فرعون نے حضرت موسٰی کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھرے دربار میں بے خوف اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا "کیا تم لوگ ایک شخص کو صرف اِس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"؟ اِس کے بعد اُس نے ایک طویل اور پُر زور وعظ کہا جسے سورۂ مومن میں آیت ۲۹ سے ۴۴ تک مسلسل نقل کیا گیا ہے۔ اُس وعظ میں اُس نے کھلم کھلا فرعون اور اس کی سلطنت کے اعیان و ارکان اور اس کی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرایا، ان سب کو سیدھا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی، اور اِس بات کی کچھ پروا نہ کی کہ اِس حق گوئی کا کیا نتیجہ اس کو دیکھنا پڑے گا۔

سب سے زیادہ شاندار کردار اِس میں حضرت موسٰیؑ کا سامنے آتا ہے۔ وہ ایک ایسی قوم کے فرد تھے جو مصر میں ذلّت کی آخری حد کو پہنچا دی گئی تھی اور اتنی جان بھی نہ رکھتی تھی کہ اپنے بچوں کے قتل پر اُف تک کر سکے۔ خود حضرت موسٰی پر ایک مصری کے قتل کا الزام تھا جس میں اُن کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے اور وہ ملک چھوڑ کر کئی سال تک مَدیَن میں پناہ گزین رہے تھے۔ اِس حالت میں جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبی مقرر کر کے، اور بس ایک لاٹھی اور یدِ بیضا کا معجزہ دے کر فرعون جیسے جبّار کی حکومت سے جا ٹکرانے کا حکم دیا تو وہ اللہ کی مدد کے بھروسے پر کسی لاؤ لشکر کے بغیر اُس کے دربار میں جا کھڑے ہوئے۔ اُس کی کسی دھمکی سے مرعوب نہ ہوئے۔ اس کے

کسی جبر و ظلم کے آگے نہ دبے۔ سالہا سال تک مسلسل سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور جب فرعون نے علانیہ اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اُس کی دھمکی کو اس کے منہ پر مار دیا کہ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ "میں نے پناہ لے لی اپنے اور تمہارے رب کی ہر اُس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا" (المومن ۲۷)

دوسری تاریخی مثالیں

اسی طرح قرآن میں دوسری بہت سی تاریخی مثالیں پیش کر کے یہ بھی طرح واضح کر دیا گیا کہ اسلام کس کردار اور اخلاق کے انسانوں کو پسند کرتا ہے اور کیسے انسان اس کو ناپسند ہیں۔ مثلاً ایک طرف حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ہیں جو تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے باوجود خداترسی و آئینِ بندگی سے ذرا نہیں ہٹتے، غرور و تکبر کے بجائے شکر اور اطاعت کے طریقے پر قائم رہتے ہیں، اور جہاں بھی انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اُن کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے، فوراً عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے آگے جھک جاتے ہیں (ص، ۱۷ تا ۲۶۔ النمل ۱۹-۴۰۔ ص ۳۴-۳۵)۔ ملکۂ سبا ہے جو ایک مشرک قوم کی فرمانروا ہونے کے باوجود جب حق سے آگاہ ہو جاتی ہے تو بلا تأمل اسے قبول کر لیتی ہے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتی کہ اُس کی مشرک قوم اُس کا ساتھ دیتی ہے یا نہیں (النمل ۴۴)۔ سورۂ یٰسٓ کا ایک مردِ حق پرست ہے جس کی قوم تین تین پیغمبروں کی شدید مخالفت کرتی ہے اور انہیں سنگسار کر دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے، مگر وہ اِس خطرناک حالت میں بھی شہر کے ایک حصے سے دوڑتا ہوا آتا ہے، قوم کو پیغمبروں کی بات مان لینے کی تلقین کرتا ہے، اُس کی گمراہی دلیل کے ساتھ ثابت کرتا ہے، اپنے ایمان کا صاف صاف اعلان کرتا ہے، اور اس کی پاداش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، پھر بھی اس کے دل سے ظالموں کے حق میں بد دعا نہیں نکلتی، بلکہ وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اُس کی قوم کے لوگ اب بھی جان لیں کہ کس چیز کی بدولت اُس کے رب کے ہاں اُسے عزت اور مغفرت نصیب ہوئی (آیات ۱۳ تا ۲۷)۔ اصحابِ کہف ہیں جو ایک مشرک قوم کے ظلم سے اپنا ایمان بچا لینے کے لیے محض خدا کے بھروسے پر ایک غار میں جا چھپتے ہیں اور اِس بات کی کوئی فکر نہیں کرتے کہ اِس پناہ گاہ میں وہ کب تک بے سہارا رہ سکیں گے۔ انہیں فکر ہوتی ہے تو بس یہ کہ وہ ایمان کے راستے سے نہ ہٹنے پائیں (الکہف ۱۳ تا ۲۰)۔ دوسری طرف قارون ہے جو حضرت موسیٰ کی قوم کا ایک فرد تھا، مگر دنیا پرستی کی خاطر فرعون کے مقرّب درباریوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس نے حرام کی دولت کے انبار جمع کیے اور اُن پر خوب اِترایا۔ نیک لوگوں نے اُسے بھلائی کی تلقین کی تو اُس نے یہ کہہ کر اُن کی بات رد کر دی کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ میری قابلیت کا نتیجہ ہے۔ دنیا پر فریفتہ لوگ اُس کی شان و شوکت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ کر اسے بڑا نصیب والا سمجھتے اور تمنا کرتے کہ کاش ہمیں بھی یہ شان نصیب ہو۔ مگر جب اللہ نے اُسے اور اس کے محل اور اس کی دولت کو زمین میں دھنسا دیا تو وہ اُن لوگوں کے لیے عبرت بن گیا جو اُس کا سا مرتبہ پانے کی آرزو رکھتے تھے (القصص ۷۶ تا ۸۲)۔ قوم سبا ہے جس کے ملک کو اللہ نے جنت بنا رکھا تھا، مگر جب اس نے قدر کی ناشکری کا راستہ اختیار کیا تو اللہ نے ایک خوفناک سیلاب سے اس کو تباہ کر دیا، اس کے باغ جھاڑ جھنکاڑ بن گئے، اور وہ ایسی پراگندہ ہوئی کہ عرب میں اس کی پراگندگی ضربُ المَثَل بن کر رہ گئی (سبا ۱۵ تا ۱۹)۔ سب سے زیادہ تر بدتر مثال یہود کی پیش کی گئی جنہوں نے خدا کی نافرمانیاں کر کے تاریخ میں دو بار فسادِ عظیم برپا کیا اور اس کی سزا یہ بھگتی کہ ایک مرتبہ بابِل و آشور کے سخت گیر حکمرانوں نے انہیں غارت کیا اور دوسری مرتبہ رومیوں نے انہیں فلسطین سے نکال کر دنیا بھر میں پراگندہ کر دیا (بنی اسرائیل ۴ تا ۷)۔ اسی آخری پراگندگی کے بعد وہ عرب میں پہنچے تھے اور اُن کا ایک ایک اخلاقی عیب اہلِ عرب کے سامنے تھا جس کی نشان دہی کر کے قرآن نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ اِن صفات کے انسانوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر اپنی دنیوی اغراض و خواہشات کے لیے خود اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف اِس بھروسے پر گناہ کرتے تھے کہ ہمیں تو معاف کر ہی دیا جائے گا (الاعراف ۱۶۹)۔ وہ کہتے تھے کہ اُمیوں (یعنی غیر یہودیوں) کے مال مار کھانے اور اُن کے ساتھ بدمعاملگی کرنے سے ہم پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا (آل عمران ۷۵)۔ اُن کے علماء اور درویش لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے تھے (التوبہ ۳۴)۔ سود خواری اُن میں عام تھی حالانکہ ان کے دین میں اس سے منع کیا گیا تھا (النساء ۱۶۱)۔ انہوں نے جادو ٹونے اور سفلی عملیات کا شیطانی کاروبار پھیلا رکھا تھا اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھوٹ منسوب کرتے تھے (البقرہ - ۱۰۲)۔ اُن کے اندر ہر طرح کی بُرائیاں پھیلی ہوئی تھیں مگر اُنہوں نے یہ طریقہ چھوڑ دیا تھا کہ ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے روکیں، اسی لیے وہ اخلاقی پستیوں میں گرتے چلے جا رہے تھے (المائدہ ۷۹) اور یہ وہ عیب ہے جسے قرآن نے تمام قوموں کی بربادی کا ایک عام سبب بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں پچھلی قوموں کے پے در پے مبتلائے عذاب ہونے کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "کیوں نہ اُن قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہلِ خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا، ورنہ ظالم لوگ تو اُنہی مزوں میں پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں" (آیات ۱۱۶-۱۱۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بُرائیاں جن کی قرآن میں مذمت کی گئی یہ ایک اسلوب تھا جس سے قرآن نے تاریخی واقعات کے پیرایہ میں اپنی اخلاقی تعلیمات کو بیان کیا۔ اس کے بعد دوسرا اسلوب یہ ہے کہ اُس نے براہِ راست اُن بُرے اوصاف اور اعمال اور اخلاق کی مذمت کی جو قریش، اور عرب اور عام انسانی معاشرے میں پائے جاتے تھے۔ یہ ایسی بُرائیاں تھیں جن کو اچھا کہنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اِن کے مقابلے میں اس نے بتایا کہ وہ اچھے اوصاف، اخلاق اور اعمال کیا ہیں جن سے اسلام افراد اور معاشرے کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ بھی ایسی خوبیاں تھیں جنہیں فضائلِ اخلاق ماننے سے انکار کر دینا بھی کسی کے بس میں نہ تھا۔

اب ہم پہلے اُن بُرائیوں کو بیان کریں گے جن کی قرآن میں مذمت کی گئی اور لوگوں کو بتایا گیا کہ اسلام ان سے انسانی زندگی کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

——"تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) بُرائیاں کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اُسے گِن گِن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا" (الہمزہ۔ ۱ تا ۳)۔

——"تم نے دیکھا اُس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اُکساتا (یعنی نہ خود اپنے نفس کو اِس پر آمادہ کرتا ہے نہ دوسروں کو اِس بات پر اُکساتا ہے کہ غریب و محتاج لوگوں کی بھوک مٹانے کے لیے کچھ کریں)۔ پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں (الماعون)۔

——"انسان کا حال یہ ہے کہ اُس کا رب جب اسے آزمائش میں ڈالتا ہے (اور آزمائش کی خاطر) اُسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے (اور اس بنا پر) اُس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں (یعنی یہ معیارِ عزت و ذلت نہیں ہے) بلکہ تم لوگ یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اُکساتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو" (الفجر ۱۵ تا ۲۰)۔

——"جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں" (النساء۔ ۱۰)۔

——"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی فکر نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں (یہ کوئی بھلائی نہیں ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا" (التکاثر ۱ تا ۳)۔

——"اور کسی ایسے شخص کے دباؤ میں نہ آؤ جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بداعمال ہے، جفاکار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے۔ (اُس کا دباؤ قبول نہ کرو محض اس لیے کہ) وہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے" (القلم ۱۰ تا ۱۴)۔

—— "تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جو لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اُٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جب کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے" (المطففین ۱ تا ۶)

—— "انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو" (الرحمٰن ۹)۔

—— (قیامت کے روز اہلِ جنت) "مجرمین سے پوچھیں گے کہ کیا چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور (حق کے خلاف) باتیں بنانے والوں میں ہم بھی شامل ہو جاتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے" (المدثر ۴۰ تا ۴۶)۔

—— (قیامت کے روز دوزخی کو زنجیروں میں باندھ کر لے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا جائے گا) "یہ نہ خدائے بزرگ پر ایمان رکھتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے پر اُکساتا تھا، لہٰذا آج نہ یہاں اِس کا کوئی یارِ غمخوار ہے اور نہ اِس کے لیے زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا جسے خطاکاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا" (الحاقۃ ۳۳ تا ۳۷)۔

—— "وہ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال اُڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا؟" (البلد ۶-۷)۔

ڈھیروں مال اُڑا دینے سے مطلب اپنی دولت مندی کی نمائش اور اپنے فخر اور بڑائی کے اظہار کے لیے خوب مال خرچ کرنا ہے اور آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فخر جتانے والا کیا سمجھتا ہے کہ کوئی یہ دیکھنے والا نہیں ہے کہ اس نے یہ دولت کس طرح حاصل کی اور کن کاموں میں کس نیت سے اس کو اُڑا دیا؟

—— "جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور اپنے اِس خرچ کے بعد کسی پر کوئی احسان نہ جتائیں نہ (اُس شخص کو جسے انہوں نے مال دیا ہے) کوئی دُکھ دیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے اذیت دی جائے" (البقرہ ۲۶۲-۲۶۳)۔

—— "اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اُس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے" (البقرہ ۲۶۴)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

——— "جو لوگ اُس مال میں بُخل کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ یہ اُن کے لیے بہت بُرا ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کرتے ہیں وہی قیامت کے روز اُن کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا" (آل عمران ۱۸۰)۔ بخل صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنا مال نہ اپنی ذات پر خرچ کرے اور نہ اپنے بال بچوں پر، بلکہ بخل یہ بھی ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اپنے عیش و آرام، اپنی دلچسپیوں اور تفریحوں اور اپنی دولت مندی کی نمائش پر اُڑاتا رہے مگر کسی نیک کام پر خرچ کرنے کے لیے اس کا دل آمادہ نہ ہو۔

——— "اللہ ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور اور اپنی بڑائی پر فخر کرنے والے ہیں، جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے اُنہیں دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں" (النساء ۳۶-۳۷)۔

——— "جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں" (التغابن ۱۶)۔

——— "لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ۔ سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے" (لقمان ۱۸-۱۹)۔

——— "اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو" (النساء ۳۲)۔ یعنی کسی کو اپنے مقابلے میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھ کر بے چین ہو جانا ہی رشک و حسد اور رقابت کی اصل جڑ ہے، جس کے باعث آدمی دوسرے سے جلنے لگتا ہے، اپنی بھلائی کے لیے اُس کی بُرائی چاہتا ہے، اور جو فضل جائز طریقے سے اُسے نہیں ملتا اُسے حاصل کرنے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔

——— "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، لوگوں سے کہو کہ میرے رب نے تو حرام کیے ہیں فحش کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے، اور گناہ اور ناحق کی زیادتی، اور یہ کہ تم اللہ کے نام پر وہ بات کہو جس کے (من جانب اللہ ہونے کا) تمہیں علم نہیں ہے" (الاعراف ۳۳)۔

——— "اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جن سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے کاموں سے باز رہنا ہو" (البقرہ ۲۲۴)

——— "اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر کفیل ٹھیرا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ تمہاری حالت اُس عورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت کے ساتھ سوت کاتا اور آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو اپنے معاملات میں مکر و فریب کا ہتھیار بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے میں رہے۔ حالانکہ اللہ تو اس (عہد و پیمان) کے ذریعے سے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے" (النحل ۹۱-۹۲)۔

——— "اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اُن رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) بُرا ٹھکانا ہے" (الرعد ۲۵)۔

——— "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اُسے بگاڑ دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں" (النمل ۳۴)۔

——— سورۃ الحجرات میں جن اخلاقی بُرائیوں کی مذمت کی گئی ہے وہ ہیں ایک دوسرے کا مذاق اُڑانا، ایک دوسرے پر طعن کرنا، لوگوں کے بُرے بُرے لقب رکھنا، بے جا بدگمانیاں کرنا، دوسروں کے حالات کا تجسس کرنا، اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بُرائی کرنا (آیات ۱۱-۱۲)۔

——— "قطعاً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے جہالت و نادانی کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کیا" (الانعام ۱۴۰)۔

——— "جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اِس بُری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلّت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا اسے مٹّی میں دبا دے" (النحل ۵۸-۵۹)۔

——— قیامت کے روز جب خدا کے حضور لوگوں کی پیشی ہوگی تو "زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس قصور میں ماری گئی؟" (التکویر ۸-۹)۔

——— "جو شخص خود کوئی جرم یا گناہ کرے اور اس کا الزام کسی بے گناہ پر منصوب دے اُس نے بڑے بہتان اور گناہ کا بار سمیٹ لیا" (النساء ۱۱۲)۔

——— "تم کسی خائن کے حمایتی نہ بنو..... اللہ کسی خیانت کار اور معصیت پیشہ کو پسند نہیں کرتا" (النساء ۱۰۵-۱۰۷)۔

——— "خائن اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہوگا" (آلِ عمران ۱۶۱)۔

——— "جانتے بوجھتے ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کرو" (الانفال ۲۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

——— "جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں بڑھوتری ہو، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا۔ اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لیے دو اسی کے دینے والے درحقیقت مال بڑھاتے ہیں" (الروم ۳۹)۔

——— "آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ اِلّا یہ کہ لین دین ہو تمھارے درمیان آپس کی رضامندی سے۔ ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو..... تم میں سے جو ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے" (النساء ۲۹-۳۰)۔

——— "آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اِس غرض کے لیے پیش کرو کہ لوگوں کے مالوں کا کوئی حصہ جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھا جاؤ" (البقرہ - ۱۸۸)۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اور یہ بھی کہ عدالت میں یہ جانتے ہوئے کہ مال دراصل دوسرے شخص کا ہے محض اس بنا پر معاملہ نہ لے جاؤ کہ وہ شخص اپنی ملکیت کا ثبوت نہ دے سکے گا، یا تم کوئی ہیر پھیر کر کے مقدمہ جیت جاؤ گے۔

——— "گواہوں کو شہادت دینے سے انکار نہ کرنا چاہیے جب وہ گواہی کے لیے بلائے جائیں..... اور شہادت کو چھپاؤ نہیں۔ جو اُسے چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے" (البقرہ ۲۸۲-۲۸۳)۔

——— "جھوٹی بات کہنے سے پرہیز کرو" (الحج ۳۰)۔ اسی میں جھوٹی شہادت بھی آجاتی ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عُدِلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ، "جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر رکھی گئی ہے"۔

——— "جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اُس میں سے حصہ پائے گا اور جو بُرائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا" (النساء - ۸۵)۔ یعنی اس کی بھلائی یا اس کی بُرائی میں وہ بھی حصہ دار ہوگا

——— "سورۂ نور میں آیت ۴ سے ۲۳ تک پاک دامن عورتوں پر جھوٹے بہتان گھڑنے، اُن کو سننے اور آگے پھیلانے اور معاشرے کے اندر فحش کی اشاعت کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے جس کی تفصیلات کو چھوڑ کر طولِ کلام سے بچنے کے لیے ہم صرف آیات کے حوالے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف عورتوں ہی کی حد تک خاص نہیں ہے، مردوں پر بہتان لگانا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا عورتوں پر بہتان لگانا۔

——— "بیویوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو" (النساء - ۱۹)۔ "اگر عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئے تو یا بھلے طریقے سے انہیں روک لو، یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ ان کو ستانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے نہ روک رکھو تاکہ ان پر زیادتی کرو۔ جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا" (البقرہ-۲۳۱)۔

——"عورتوں سے ان کے سرپرستوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرو اور ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو کہ وہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں" (النساء-۲۵)۔

——"عورتوں سے اِس بات کا عہد لو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امرِ معروف میں (اے نبی) تمہاری نافرمانی نہ کریں گی" (الممتحنہ-۱۲)۔ بہتان گھڑ کر لانے سے مراد دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عورت دوسری عورتوں پر غیر مردوں سے آشنائی کا الزام لگائے اور اس کا چرچا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ بچہ تو کسی کا جنے اور شوہر کو اِس دھوکے میں رکھے کہ بچہ اُس کا ہے۔

——"اے بنی آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور زینت کا ذریعہ بنے...... اے بنی آدم تم کو شیطان فتنے میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے والدین (آدم و حوّا علیہما السلام) کو جنت سے نکالا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اُتروا دیے تھے تاکہ اُن کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے" (الاعراف ۲۶-۲۷)۔

——"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اِن سے کہو کس نے حرام کر دیا اللہ کی اُس زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور کھانے پینے کی پاک چیزوں کو؟" (الاعراف ۳۲)۔ "رہبانیت کی بدعت (عیسائیوں نے) خود نکالی، ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا" (الحدید ۲۷)۔

——"کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم نشہ آور چیز بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی حاصل کرتے ہو" (النحل ۶۷)۔ یعنی اللہ نے جو اچھا رزق دیا تھا اسے تم ایک بُرے کام، نشہ پیدا کرنے والی چیز بنانے کے لیے استعمال کرتے ہو۔

یہ بُرے اخلاق و اوصاف اور اعمال جن کی قرآن میں مذمت کی گئی تھی، اِن کی بُرائی سے انکار کرنا کسی کے لیے ممکن نہ تھا، نہ قریش اور اہلِ عرب میں سے کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے کی ہمت رکھتا تھا کہ اُس کا معاشرہ اِن بُرائیوں سے پاک ہے، اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ جن بُرائیوں سے قرآن روک رہا ہے اُن میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب میں پائی جاتی ہے۔ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے سوا جو لوگ بھی صاف اور بے تعصب ذہن رکھتے تھے ان کے لیے یہ ماننے کے سوا چارہ نہ تھا کہ اِن بُرائیوں سے واقعی افراد اور معاشرے کو پاک ہونا چاہیے اور وہ شخص کوئی قصور نہیں کر رہا ہے جو انسانی زندگی کو ان سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ (باقی)

© rasailojaraid.com